SOCIAL SCIENCE REVIEW ARCHIVES
ISSN Online: 3006-4708
ISSN Print: 3006-4694
https://policyjournalofms.com

Islamic Collectivity in the Light of the Quran and Hadith: Organizational Structure and National Unity

قرآن و حدیث کی روشنی میں اسلامی اجتماعیت: جماعتی تنظیم اور ملی وحدت

Muhammad Ahmad[1], Dr. Muhammad Shahid Habib[2]

[1] Ph.D. Scholar (Islamic Studies) Khwaja Fareed University of Engineering & Information Technology Rahim Yar Khan, Pakistan, Email: ahmadryk93@gmail.com
[2] Assistant Professor (Islamic Studies) Khwaja Fareed University of Engineering & Information Technology Rahim Yar Khan, Pakistan, Email: shahid.habib@kfueit.edu.pk

DOI: https://doi.org/10.70670/sra.v4i1.2461

Abstract

This article examines the relationship between individual accountability and collective life in Islam. Islam holds every person personally responsible before Allah yet teaches that true success is achieved not in isolation but through social and communal living**.** The paper centers on Surah Al-Imran (3:102–103), which presents two core principles**:**

1 **.**Taqwa (God-Consciousness): Explained in three levels—abstaining from shirk, avoiding all that displeases Allah, and the highest station of purifying the heart for His remembrance. The "true right of Taqwa" is defined as complete obedience, constant remembrance, and gratitude to Allah**.**

2 **.**Unity and Collectivity: Holding firmly to the "Rope of Allah" (Hablullah)—interpreted as the Holy Qur'an—which serves as the only universal center of unity for all Muslims, transcending ethnic, linguistic, and regional divisions**.**

The article distinguishes between blameworthy differences (rooted in personal desires and distance from the Qur'an) and non-blameworthy differences (legitimate scholarly variance in subsidiary matters, considered a mercy)**.**

Historically, Muslim glory was tied to Qur'anic unity, while decline followed when they abandoned it for pre-Islamic prejudices. The only path to revival, the article argues, is firm adherence to the Qur'an and fostering mutual brotherhood**.**

In conclusion, success in both worlds is contingent solely upon obedience to Allah and following the Qur'anic system of life—the only guarantee of salvation and prosperity

Keywords: Individual Accountability, Collective Life / Social Living, Taqwa, Shirk, Obedience to Allah, Remembrance of Allah / Dhikr, Unity, , Universal Center of Unity, Blameworthy Differences, Non-blameworthy Differences / Scholarly Variance, Mercy, Pre-Islamic Prejudices, Revival, Mutual Brotherhood, Qur'anic System of Life, Salvation and Prosperity

اس حقیقت میں ذرا بھی شبہ نہیں کہ اسلام نے انسانِ واحد کو ایک ممتاز اور مرکزی حیثیت عطا کی ہے۔ ہر شخص تنہا اس دنیا میں آنکھ کھولتا ہے، اور اسی تنہائی میں اسے اللہ عزوجل کی بارگاہ میں حاضر ہو کر اپنے کیے کا جواب دینا ہوگاہر شخص کی ذمہ داری ہے کہ وہ اللہ تبارک وتعالی کے احکامات پر چل کر اپنی زندگی کو کامیاب بنائےلیکن دین اسلام ہمیں یہ بھی سکھاتا ہے کی کامیابی کا راستہ تنہائ میں نہیں،بلکہ معاشرتی زندگی گزارتے ہوے ملتا ہے۔ قرآن مجید ہمیں

وہ راستہ سمجھاتا اور دکھاتا ہے جو کہ اک منظم اجتماعی اور سماجی زندگی کے ذریعے کامیابی تک پہنچاتا ہے۔اور اس کے اہم مراحل کے سلسہ میں سورہ آل عمران میں ارشاد فرماتا ہے۔

"يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقَاتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ[1] (102)۔ اور آل عمران آیت نمبر (103)"[2]

ان آیات مبارکہ میں اہل اسلام کو مسلمانوں کی اجتماعی قوت کو نا قابل تسخیر اور مضبوط بنانے کے دو اہم اصول بتلائے گئے ہیں ۔اول تقوی ،اور دوسرا باہمی اتفاق واتحاد ،اور اختلاف و تفرق سے بچنا۔

پہلا اصول تقویٰ:

پہلی آیت میں پہلا اصول ، دوسری آیت مبارکہ میں دوسرا اصول بتلایا گیا ہے ۔پہلا اصول جو آیت مبارکہ میں بتلایا گیا ہے،وہ یہ ہے کہ اللہ سے ڈرنے ،یعنی اللہ تبارک و تعالی کی طرف سے ناپسندیدہ چیزوں سے اپنے آپ کو بچانے کا مکمل اہتمام کرنا ہے، جو رب العالمین کی مرضی اور منشاء کے مطابق ہوں ۔

لفظ تقویٰ اصل عربی زبان میں بچنے اور اجتناب کرنے کے معنی میں آتا ہے ۔اس کا ترجمہ ڈرنا بھی اسی مناسبت سے کیا جاتا ہے ،کہ جن چیزوں سے بچنے کا حکم اللہ رب العزت کی طرف سے دیا گیا ہے، وہ چیزیں ڈرنے کی ہیں، یا کہ ان سے اللہ تبارک و تعالی کے عذاب کا خطرہ ہے، وہ ڈرنے کی چیز۔تقوی کے کئی درجات ہیں ،ایک ادنی درجے کا تقویٰ، دوسرا درجہ جو اصل میں مطلوب ہے، اور تیسرا درجہ تقویٰ کا اعلی مقام ہے۔

- ادنی درجے کا تقویٰ یہ ہے کہ کفر و شرک سے بچنا ،اس معنی کے اعتبار سے ہر مسلمان کو متقی کہا جا سکتا ہے ،اگرچہ وہ مسلمان گناہوں میں مبتلا ہو، اس معنی کے لیے بھی قرآن مجید فرقان حمید میں کئی جگہ لفظ متقین اور تقوی ٰاستعمال ہوا ہے۔
- دوسرا درجہ تقوی ٰکا جو اصل میں مطلوب ہے، وہ یہ ہے کہ ان تمام چیزوں سے اپنے آپ کو بچانا جو اللہ اور نبی علیہ الصلوۃ والتسلیمات کے نزدیک پسندیدہ نہیں تقوی ٰکے فضائل و برکات جو قرآن و حدیث میں آئے ہیں وہ اسی درجہ پر موعود ہیں۔
- تیسرا درجہ تقوی ٰکا اعلی مقام ہے۔جو انبیاء علیہم السلام ،اور ان کے خاص نائبین ،اولیاء اللہ کو نصیب ہوتا ہے ،کہ اپنے دل کو ہر غیر اللہ سے بچانا اور اللہ رب العزت کی یاد اور اس کی رضا جوی کو دل میں بسایے رکھنا۔

پہلی آیت مبارکہ میں اتقو اللہ کے بعد حق تقاتہ کا کلمہ بڑھایا گیا ہے ،کہ تقوی کا وہ درجہ حاصل کرو جو تقویٰ کا حق ہے۔[3]

حق تقوی ٰکے بارے میں، اس کی تفسیرسَیِّدُنَاعبداللہ بن مسعودؓ، قتادہؒ،حسن بصری ؒاور ربیع رضی اللہ عنہم نے فرمائی ہے ،جو کہ نبی کریم علیہ الصلوات والتسلیمات سے مرفوعا منقول ہے۔

"قَالَ ابْنُ مَسْعُودٍ، وَالرَّبِيعُ، وَقَتَادَةُ، وَالْحَسَنُ: حَقَّ تُقَاتِهِ هُوَ أَنْ يُطَاعَ فَلَا يُعْصَى، وَيُذْكَرَ فَلَا يُنْسَى، وَيَشْكَرَ فَلَا يُكْفَرَ. وَرُوِيَ مَرْفُوعًا"

"سَیِّدُنَا (عبداللہ) بن مسعود، امام ربیع، امام قتادہ اور امام حسن بصری رحمہم اللہ فرماتے ہیں:(اللہ سے) 'اس کے ڈرنے کا حق' یہ کہ خدا کی مکمل فرمانبرداری ہواور کبھی اس کی نافرمانی نہ کی جائے، اسے ہمیشہ یاد رکھا جائے اور کبھی اسے فراموش نہ کیا جائے، اور اس کا شکر ادا کیا جائے اور کبھی اس کی ناشکری نہ کی جائے۔ اور (نبی مکرم علیہ الصلوۃ والتسلیمات کے واسطے سے بھی) یہی مفہوم مرفوعاً روایت کیا گیا ۔"[4]

اور قران کریم کی ایک دوسری آیت مبارکہ میں اللہ رب العزت نے جو ارشاد فرمایا :یعنی اللہ تبارک و تعالی سے ڈرو ! جتنا تمہاری ہمت اور قدرت میں ہے، توسَیِّدُنَاابن عباس (اللہ آپ سے خوشنود ہو)اور طاؤس ؒ نے ارشادفرمایا :کہ حقیقت میں اس کی یہ تفسیر اور تشریح ہے ،اس کا مطلب یہ ہے ،کہ معاصی اور گناہوں سے بچنے کے اندر اپنی پوری قوت، طاقت اور توانائی صرف کر دے، تو حق تقویٰ ادا ہو گیا ۔اگر کوئی شخص اپنی پوری توانائی صرف کرنے کے بعد بھی کسی، ناجائز کے اندر کسی غلط کام میں مبتلا ہو بھی گیا تو وہ حق حقوق تقوی کے خلاف نہیں۔[5]

"وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ" سے معلوم ہوا کہ تقوی ٰحقیقت میں مکمل اسلام ہی ہے، کہ اللہ رب العزت اور عشق رسول علیہ الصلوات والتسلیمات کی مکمل اطاعت اور اس کی نافرمانی سے مکمل پرہیز کا ہی نام تقوی ٰہے ۔اور اسی کو اسلام کہا جاتا ہے ۔باقی یہ کہ اس آ یت مبارکہ میں فرمایا گیا :کہ تمہاری موت اسلام پرآنی چاہیے۔یعنی اسلام کے سوا کسی حال پر موت نہیں آنی چاہیے۔ (تو یہ شبہ نہ کیا جائے کہ آدمی کے اختیار میں نہیں ہے کسی وقت کسی حال میں آ سکتی ہے)۔کیونکہ حدیث مبارکہ میں ہے، یعنی جس حالت میں تم اپنی زندگی گزارو گے اسی پر موت آئے گی ۔جس حالت پر موت آئے گی،اسی حالت میں حشر میں کھڑے کیے جاؤ گے ۔تو جو شخص اپنی مکمل زندگی دین اسلام پر گزارنے کا پختہ ارادہ اور عزم رکھتا ہے ،اور اپنی ہمت کے مطابق اس پر عمل کرتا ہے، تو اس کی موت انشاءاللہ اسلام ہی پر آئے گی ۔بعض روایت حدیث میں یہ جو آیا ہے ،کہ بعض آدمی ایسے بھی ہوں گے ،کہ ساری عمر نیک اعمال کرتے ہوئے گزر گئی ،آخر میں کوئی ایسا کام کر بیٹھے جس کی وجہ سے ان کے سارے اعمال برباد اور ضائع ہو گئے ۔یہ ایسے ہی لوگوں کو پیش آ سکتا ہے، جن کے عمل میں اول اخلاص اور پختگی نہیں تھی۔[6]

دوسرا صول اتفاق اور اجتماعیت:

مذکورہ بالا آیتِ کریمہ میں اس حقیقت کو انتہائی بلیغ اور دانشمندانہ اسلوب میں اجاگر کیا گیا ہے۔ یہاں سب سے پہلے اس بنیادی اصول اور نکتے کی طرف رہنمائی فرمائی گئی ہے جو انسانی معاشرے کو باہمی طور پر یکجا اور متحد کرنے کا ایک لاجواب نسخہ ہے۔ اس کے فوراً بعد آپس میں یگانگت اور یکسوئی پیدا کرنے کا حکم دیا گیا، اور پھر باہمی خلفشار، گروہ بندی اور دھڑے بندی سے سختی کے ساتھ روک دیا گیا۔

اتحاد و اتفاق ایک ایسی آفاقی سچائی ہے جس کے پسندیدہ اور تعمیری ہونے پر دنیا بھر کے انسان متفق ہیں؛ خواہ وہ کسی بھی خطے کے باسی ہوں، کسی بھی دور سے تعلق رکھتے ہوں یا دنیا کے کسی بھی معروف مذہب کے پیروکار ہوں۔ اس معاملے میں کسی بھی قسم کے اختلافِ رائے کی گنجائش ہی موجود نہیں۔ روئے زمین پر شاید ہی کوئی ایسا شخص ملے گا جو لڑائی جھگڑے اور باہمی فساد کو نفع بخش یا اچھا تصور کرتا ہو۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا کا ہر مکتبِ فکر اور ہر سیاسی یا سماجی جماعت لوگوں کو باہمی جڑت اور اتفاق کی ہی دعوت دیتی ہے۔

لیکن تاریخ اور دنیا کے حقیقی حالات کا تجربہ ہمیں یہ تلخ حقیقت سکھاتا ہے کہ اتحاد کی اہمیت و افادیت پر سب کا اتفاق ہونے کے باوجود، عملی صورتحال یہ ہے کہ انسانیت ہمیشہ سے مختلف گروہوں، دھڑوں اور فرقوں میں بٹی چلی آ رہی ہے۔ پھر المیہ یہ ہے کہ ہر فرقے کے اندر مزید کئی ذیلی فرقے، اور ہر جماعت کے بطن سے کئی نئی جماعتیں جنم لیتی رہتی ہیں۔ یہ نہ ختم ہونے والا سلسلہ اس حد تک بڑھ چکا ہے کہ حقیقی معنوں میں دو افراد کا فکری و عملی اتحاد بھی محض ایک خواب دکھائی دیتا ہے۔ عارضی اور ذاتی مفادات کے تحت اگر کچھ لوگ کسی بات پر اکٹھے ہو بھی جائیں، تو جیسے ہی وہ مفادات حاصل ہو جاتے ہیں یا ان کی حصولی میں ناکامی کا سامنا

کرنا پڑتا ہے، تو نہ صرف وہ وقتی اتحاد پارہ پارہ ہو جاتا ہے بلکہ بات شدید دشمنی، عناد اور مستقل دوریوں تک جا پہنچتی ہے۔[7]

اگر گہرائی سے جائزہ لیا جائے تو اس ابتر صورتحال کی بنیادی وجہ یہ سامنے آتی ہے کہ ہر گروہ، ہر طبقہ اور ہر فرد باقی تمام انسانوں کو اپنے خود ساختہ نظریات، منشور اور پروگرام پر اکٹھا کرنے کا خواہش مند ہے۔ دوسری طرف، باقی لوگ چونکہ خود اپنے تیار کردہ نظام اور ایجنڈے پر یقین رکھتے ہیں، اس لیے وہ دوسروں کے سامنے جھکنے یا ان کی بات ماننے کے بجائے انہیں اپنے نظریات کی طرف مائل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اتحاد کے نام پر اٹھنے والی ہر ایسی انفرادی یا اجتماعی تحریک بذاتِ خود افراد اور جماعتوں کے درمیان مزید دوری، خلفشار اور انتشار کا سبب بن جاتی ہے؛ اور اختلافات کی دلدل میں دھنسی ہوئی اس انسانیت کے حصے میں مزید دوریوں اور تباہی کے سوا کچھ نہیں آتا۔[8]

یہی وجہ ہے کہ قرآنِ مجید اور فرقانِ حمید نے صرف زبانی طور پر یکجہتی، تنظیم اور اجتماعیت کی تلقین نہیں فرمائی، بلکہ اس اتحاد کو حاصل کرنے اور اسے مستقل بنیادوں پر قائم رکھنے کا ایک ایسا منصفانہ، عادلانہ اور غیر جانبدارانہ قانون بھی عطا کر دیا ہے جس کو تسلیم کرنے سے کسی بھی باشعور طبقے کو انکار نہیں ہو سکتا۔ وہ سنہری اصول یہ ہے کہ کسی ایک انسان کے ذہن یا چند انسانوں کے وضع کردہ منشور اور نظام کو زبردستی دوسرے انسانوں پر مسلط کر دیا جائے اور پھر یہ خام خیالی پالی جائے کہ سب لوگ اس پر متفق ہو جائیں گے، تو یہ بات عقل و انصاف کے بالکل برعکس اور محض خود فریبی ہے۔

اس کے برعکس، احکم الحاکمین (اللہ رب العزت) کا نازل کردہ ضابطہ اور نظامِ حیات ہی واقعی وہ واحد کڑی ہے جس پر تمام انسان بلا تفریقِ رنگ و نسل متحد ہو سکتے ہیں، اور کوئی بھی عقل سلیم رکھنے والا انسان اصولی طور پر اس الٰہی قانون سے انکار نہیں کر سکتا۔ اب اگر کائنات میں اختلاف کی کوئی صورت یا گنجائش باقی رہ جاتی ہے، تو وہ صرف اس بات کے تعین میں ہو سکتی ہے کہ رب العالمین کا بھیجا ہوا سچا نظام اصل میں ہے کون سا؟ عیسائی انجیل کے نظام کو، اور یہودی تورات کے قوانین کو اللہ تبارک و تعالیٰ کا بھیجا ہوا اور واجب العمل لائحہ عمل قرار دیتے ہیں، یہاں تک کہ مشرکین کے مختلف گروہ بھی اپنی خود ساختہ مذہبی رسومات کو اللہ تعالیٰ کی مشیت اور حکم کی طرف ہی منسوب کرتے ہیں[9]

لیکن اگر انسان اپنے خاندانی تعصبات، آبائی روایات اور گروہی وفاداریوں سے بالا تر ہو کر، اللہ کی عطا کردہ فہم و فراست کو استعمال کرے، تو یہ بات مکمل واضح جاتی ہے کہ خاتم النبیین سَیِّدُنَامحمد مصطفیٰ علیہ الصلوۃ والتسلیمات جو پروردگار کا آخری اور ابدی پیغام قرآن کی صورت میں لے کر آئے ہیں، آج اس ربانی ضابطے کے سوا کوئی دوسرا نظام خدا کے ہاں قابلِ قبول اور معتبر نہیں ہے۔

اگر ہم ایک لمحے کے لیے غیر مسلم اقوام کی بحث کو ایک طرف رکھ دیں، تو اس وقت براہِ راست مخاطب تو اہلِ اسلام ہیں، جن کا اس بات پر پختہ ایمان ہے کہ قرآنِ کریم اللہ رب العزت کی طرف سے نازل کردہ ایک ایسا مکمل دستورِ حیات ہے جو بلا شبہ خالقِ کائنات کا سچا کلام ہے۔ چونکہ خود رب العالمین نے اس کتابِ مقدس کی حفاظت کی ذمہ داری اٹھائی ہے، اس لیے قیامت تک اس کے اندر کسی بھی قسم کی تبدیلی، تحریف یا رد و بدل کا کوئی امکان ہی موجود نہیں۔ لہٰذا اہلِ ایمان کو تمام بیرونی ابحاث سے ہٹ کر سنجیدگی سے اس بات پر غور و فکر کرنا چاہیے کہ ان کی بقا کا واحد راستہ یہی قرآنی لائحہ عمل ہے۔ اگر مسلمانوں کی مختلف جماعتیں، پارٹیاں اور تمام مکاتبِ فکر خالصتاً قرآنِ کریم کے بتائے ہوئے نظام پر یکجا ہو جائیں، تو صدیوں پرانے نسلی، وطنی اور

گروہی اختلافات ایک ہی پل میں دم توڑ سکتے ہیں، جو اس وقت امت کی ترقی کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ بنے ہوئے ہیں۔

اس قرآنی مرکزیت کے بعد اگر مسلمانوں کے درمیان کوئی علمی یا فکری اختلاف باقی رہ بھی جائے، تو وہ صرف فہمِ قرآن اور تعبیرِ مفہوم کے دائرے تک محدود ہوگا؛ اور ایسا فکری تنوع اگر اپنی جائز حدود کے اندر رہے، تو وہ نہ تو شرعاً ناپسندیدہ ہے اور نہ ہی انسانی معاشرے کی اجتماعی زندگی کے لیے نقصان دہ ہے، بلکہ صاحبِ عقل افراد کے درمیان ایسی آراء کا تفاوت ایک بالکل طبعی اور فطری امر ہے۔ چنانچہ ایسے فکری تفاوت کو حدود کے اندر رکھنا اور اس پر قابو پانا کوئی مشکل کام نہیں ہوتا۔

اس کے برعکس، اگر اللہ تعالیٰ کے دیے ہوئے قرآنی نظام سے دوری اختیار کر کے ہماری پارٹیاں اور گروہ باہم دست و گریبان رہیں، تو پھر اس ضلالت اور نزاع کا دنیا میں کوئی علاج ممکن نہیں رہتا۔ اسی خود سرانہ اختلاف اور ہلاکت خیز انتشار سے قرآنِ مجید نے نہایت سختی کے ساتھ منع فرمایا ہے۔ افسوس کہ آج ہماری پوری امتِ مسلمہ اور ملتِ اسلامیہ اسی قرآنی اصول کو پسِ پشت ڈال دینے کی وجہ سے تفرقہ بازی اور زوال کے اندھیروں میں بھٹک کر برباد ہو رہی ہے۔ قرآنِ کریم کی اس زیرِ نظر آیت میں اسی تباہ کن تفرقے کو جڑ سے اکھاڑنے کا ایک لاجواب اور اکسیر نسخہ اسی حکیمانہ انداز میں عطا کیا گیا ہے۔[10]

"اور تم سب ایک ساتھ اللہ کی مضبوط ڈور کو پوری قوت سے پکڑے رہو۔"

مفسرینِ کرام کے مطابق یہاں 'اللہ کی ڈور(رسی) سے مراد قرآنِ مجید ہے۔سَیِّدُنَاابو سعید خدری (اللہ آپ سے خوشنود ہو)سے روایت ہے کہ اس مفہوم کی تائید میں رسول اللہ علیہ الصلوۃ والتسلیمات نے فرمایا:

«"كِتَابُ اللَّهِ، هُوَ حَبْلُ اللَّهِ الْمَمْدُودُ مِنَ السَّمَاءِ إِلَى الْأَرْضِ»۔ ترجمہ: "اللہ کی کتاب ہی وہ الٰہی رسی ہے جو آسمان سے لے کر زمین تک تانی (لٹکائی) گئی ہے۔"

اسی طرح سَیِّدُنَازید بن ارقم (اللہ آپ سے خوشنود ہو)کی بیان کرتے ہیں روایت میں بھی صراحت کے ساتھ یہ الفاظ موجود ہیں کہ "اللہ کی رسی سے مراد قرآن کریم ہی ہے"۔[11]

امام طبری اور امام قرطبی نے، بِحَبْلِ اللّٰهِ ،اللہ کی رسی کی تفسیر میں سَیِّدُنَاعبداللہ ابن مسعود (اللہ آپ سے خوشنود ہو)سے نقل کیا ہے - "عن سَيِّدُنَاعبد الله:"واعتصموا بحبل الله" ـ"قال۔: حبلُ الله: القرآن.عن عبد الله في قوله:"واعتصموا بحبل الله جميعًا"، قال: حبلُ الله، الجماعة.[12]وَقَالَ ابْنُ مَسْعُودٍ: حَبْلُ اللَّهِ الْقُرْآنُ. وَرَوَاهُ عَلِيٌّ وَأَبُو سَعِيدٍ الْخُدْرِيُّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَعَنْ مُجَاهِدٍ وَقَتَادَةَ مِثْلُ ذَلِك۔"

کہ اس سے کتاب اللہ ،یامسلمانوں کی جماعت مراد ہے۔ "وَرَوَى تَقِيُّ بن مخلد حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ عَبْدِ الْحَمِيدِ حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ عَنِ الْعَوَّامِ بْنِ حَوْشَبٍ عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ" وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعاً وَلا تَفَرَّقُوا" قَالَ: الجماعة، روي عنه و [عن غَيْرِهِ]"[13]

امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ اس حوالے سے رقمطراز ہیں کہ دراصل (کتاب اللہ اور جماعت) یہ دونوں ہی مفاہیم یہاں مراد ہیں؛ کیونکہ یہ دونوں ایک دوسرے کے لیے لازم و ملزوم ہیں۔ یعنی قرآنِ کریم کی حقیقی پیروی اور اس پر عمل پیرا ہونا مسلم معاشرے کی اجتماعیت اور جماعت کے ساتھ وابستہ رہنے ہی سے ممکن ہے۔چنانچہ امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ تفسیری بحث کا خلاصہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"مِنْ وُجُوهٍ، وَالْمَعْنَى كُلُّهُ مُتَقَارِبٌ مُتَدَاخِلٌ، فَإِنَّ اللَّهَ تَعَالَى يَأْمُرُ بِالْأُلْفَةِ وَيَنْهَى عَنِ الْفُرْقَةِ فَإِنَّ الْفُرْقَةَ هَلَكَةٌ وَالْجَمَاعَةَ نَجَاةٌ۔ وَرَحِمَ اللَّهُ ابْنَ الْمُبَارَكِ حَيْثُ قَالَ: إِنَّ الْجَمَاعَةَ حَبْلُ اللَّهِ فَاعْتَصِمُوا ... مِنْهُ بِعُرْوَتِهِ الْوُثْقَى لِمَنْ دَانَا»۔"[14]

اس پوری گفتگو کا لبِ لباب اور حاصل یہ ہے کہ قرآنِ کریم کے اس ایک جملے میں اللہ رب العزت نے دو انتہائی دانشمندانہ اصول عطا فرمائے ہیں۔ پہلا اصول یہ ہے کہ ہر انسان کے لیے یہ ناگزیر ہے کہ وہ باری تعالیٰ کے نازل کردہ ضابطہ حیات یعنی قرآنِ مجید کی ہدایات پر مضبوطی سے کاربند ہو جائے۔ دوسرا اصول یہ ہے کہ تمام اہلِ ایمان انفرادی طور پر الگ الگ ہونے کے بجائے اجتماعی طور پر مل کر اس الٰہی نظام کو نافذ کریں، جس کا فطری اور لازمی نتیجہ یہ نکلے گا کہ پوری مسلم امت آپس میں یکجا، متحد اور ایک مضبوط نظم میں پروئی جائے گی۔ یہ بالکل ایسا ہی ہے جیسے لوگوں کا ایک پورا گروہ کسی ایک مضبوط رسی کو تھام لے، تو وہ پوری جماعت یکجان (ایک جسم کی طرح) ہو جاتی ہے۔

قرآنِ مجید، فرقانِ حمید نے سورہ مریم کی ایک دوسری آیتِ کریمہ میں اس حقیقت کو مزید کھل کر اور واضح انداز میں بیان فرمایا ہے:"إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمَٰنُ وُدًّا» ﴿٩٦﴾"

"بے شک جو لوگ سچے دل سے ایمان لائے اور انہوں نے پاکیزہ (نیک) اعمال اختیار کیے، تو رحمن (اپنے فضل سے) عنقریب ان کے لیے (لوگوں کے دلوں میں) گہری محبت اور الفت پیدا فرما دے گا۔"[15]

اس قرآنی اسلوب کے اندر ایک نہایت باریک اور گہری مثال بھی پوشیدہ ہے؛ وہ یہ کہ جس وقت اہلِ ایمان کتابِ الٰہی سے سچا تمسک اختیار کرتے ہیں اور اسے مضبوطی سے تھام لیتے ہیں، تو ان کی حالت بالکل اس مسافر جیسی ہوتی ہے جو کسی اونچی اور دشوار گزار بلندی پر چڑھتے ہوئے ایک پائیدار اور مضبوط رسی کا سہارا لے لے اور نیچے گر کر ہلاک ہونے سے بچ جائے۔ چنانچہ اسی حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے واضح کیا گیا کہ اگر تمام مسلمان باہم مل کر اس قرآنی نظام کو پوری طاقت سے گرفت میں رکھیں گے، تو کوئی بھی شیطانی قوت ان کے درمیان فتنہ و فساد اور تفرقہ پیدا کرنے میں ہرگز کامیاب نہیں ہو سکے گی۔ اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ انفرادی اصلاح کے ساتھ ساتھ، پوری ملتِ اسلامیہ کی اجتماعی طاقت بھی چٹان کی طرح مضبوط، غیر متزلزل اور ناقابلِ تسخیر بن جائے گی۔

حقیقت یہ ہے کہ قرآنِ مجید کی تعلیمات سے وابستگی ہی وہ واحد بنیاد ہے جو بکھرے ہوئے دھڑوں کو یکجا کر دیتی ہے اور ایک مردہ قوم کو نئی زندگی اور ولولہ عطا کرتی ہے۔ اس کے برعکس، اگر اس الٰہی مرکز سے ناطہ ٹوٹ جائے، تو مسلمانوں کی اجتماعی اور قومی حیثیت تو مٹ ہی جائے گی، پھر ان کی انفرادی زندگیوں کا تحفظ اور خیر بھی باقی نہیں رہے گی۔[16]

پوری مسلم قوم کا اتفاق صرف دین اسلام ہی کی بنیاد پر ہو سکتا ہے وطنی اور نسبی وحدت سے یہ کام نہیں ہو سکتا۔ سب سے پہلے یہ بات جاننا لازمی اور ضروری ہے کہ وحدت و اتفاق کے لیے ضروری ہے کہ اس وحدت کا کوئی خاص مرکز ہو اور پھر اس مرکزی وحدت کے بارے میں اقوام عالم کی راہیں مختلف ہیں کہیں نسلی اور نسبی رشتوں کو مرکز وحدت سمجھا گیا جیسے قبائل عرب کی عبادت تھی اور بنو تمیم ایک قوم سمجھی جاتی تھی قریش دوسری قوم سمجھی جاتی تھی اور کسی جگہ پر رنگ کا امتیاز اس عبادت کا مرکز بن رہا تھا کہیں پر گورے لوگ ایک قوم سمجھے جاتے اور کہیں پر کالے لوگ ایک قوم سمجھے جاتے کسی جگہ پر لسانی اور وطنی عبادت کو مرکز اتحاد بنایا ہوا تھا کہیں عربی ایک قوم اور ہندی دوسری قوم کسی جگہ پر اپنے ابائی رسم و رواج کو وحدت کا مرکز بنایا گیا تھا کہ جو ان رسومات کے کی پابند ہیں کہ جو ان رسومات کی

پابندی کرنے والے ہیں وہ ایک الگ قوم ہیں اور جو ان کی بندی نہیں کرتے وہ ایک دوسری قوم ہے جس طرح ہندوستان کے اریہ سماج اور ہندو وغیرہ۔
قرآن مجید نے ان سب کو چھوڑ کر وحدت کا مرکز حبل اللہ قران مجید(یعنی اللہ رب العزت کے بھیجے ہوئے نظام محکم)کو قرار دیا۔اور واضح طور پردو ٹوک فیصلہ کر دیا کہ، اہل ایمان مسلمان ایک قوم ہیں ،جو حبل اللہ (یعنی اللہ کے رسی سے،احکم الحاکمین کے بھیجے ہوئے نظام حیات سے)وابستہ ہیں۔ اور کافر دوسری قوم ہے ، جو اس حبل متین سے وابستہ نہیں ہے۔ "خَلَقَكُمْ فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَّمِنْكُمْ مُّؤْمِنٌ (2/64) اور پھر تم میں سے کوئی کا فر ہے اور کوئی مومن"[17]
اس کا مطلب یہ ہے کہ علاقائی اور نسلی بنیادوں پر قائم گروہ بندیاں کبھی بھی اس قابل نہیں ہو سکتیں کہ انہیں یکجہتی کا محور بنایا جا سکے، کیونکہ یہ سب چیزیں ایسی ہیں جن کا تعلق انسان کی مرضی سے باہر ہے — کوئی اپنی جلد کی رنگت بدل نہیں سکتا، جو سیاہ فام پیدا ہوا وہ سفید رنگ اختیار نہیں کر سکتا، جو تمیمی قبیلے سے ہے وہ قریشی نہیں بن سکتا، اور جو عربی النسل ہے وہ ہندوستانی نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا ایسی حدود و قیود کا دائرہ بہت تنگ اور محدود ہوتا ہے، اور وہ کسی بھی زمانے یا کسی بھی خطے میں پوری انسانیت کو اپنی لپیٹ میں لے کر ساری دنیا کو ایک سانچے میں پرو کر ایک متحدہ اکائی پیش کرنے کا دعویٰ نہیں کر سکتیں۔
اسی بنا پر قرآنِ پاک اور فرقانِ مجید نے سچی یکجہتی اور حقیقی وحدت کی اصل بنیاد 'اللہ کی رسی' یعنی کلامِ الٰہی اور اس کے نازل کردہ قوانین کو قرار دیا ہے، جسے اختیار کرنا یا نہ کرنا مکمل طور پر خود انسان کے اپنے اختیار میں ہے۔ چاہے کوئی شخص مشرق کا رہنے والا ہو یا مغرب کا باسی، گورا ہو یا سانولا، اردو، انگریزی، ہندی یا عربی بولنے والا ہو، اور خواہ وہ کسی بھی خاندان، قبیلے یا گروہ سے منسلک ہو ہر ایک فرد اس سچے اور فطری مرکزِ اتحاد کو پوری طرح اپنانے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ تمام دنیا کے انسان اسی مشترکہ محور پر اکٹھے ہو کر حقیقی معنی میں ایک دوسرے کے بھائی بن سکتے ہیں۔
اگر انسان اور بالخصوص مسلمان اپنی آبائی روایات اور خاندانی رسم و رواج کے دائروں سے تھوڑا اوپر اٹھ کر تدبر کریں، تو انہیں اس آفاقی سچائی کے سوا کوئی دوسرا معتبر اور سیدھا راستہ نظر ہی نہیں آئے گا کہ وہ اللہ کے بھیجے ہوئے دین کو پہچانیں اور اسی کی اطاعت کرتے ہوئے حبلِ اللہ (اللہ کی رسی یعنی قرآن اور اس کے عادلانہ نظام) کو مضبوطی سے گرفت میں لے لیں۔ اس طرزِ عمل کا ایک بڑا فائدہ تو یہ ہوگا کہ پوری انسانیت ایک مستحکم، مضبوط اور اٹوٹ رشتے میں پروئی جائے گی۔ دوسرا تعمیری پہلو یہ سامنے آئے گا کہ اس مرکز سے جڑا ہوا ہر فرد الٰہی قوانین کے مطابق اپنے اخلاق، کردار اور اعمال کی درستی کر کے اپنی دین و دنیا دونوں کو سنوار لے گا۔ یہ وہ دانا اصول ہے جس کی بنیاد پر ایک مسلمان دنیا کی تمام اقوام کے سامنے پورے اعتماد کے ساتھ یہ دعویٰ کر سکتا ہے کہ کامیابی کا اصل راستہ صرف یہی ہے، لہذا اسی کی طرف آؤ۔ اس بے مثال الٰہی دستور پر اہلِ اسلام جتنا بھی ناز اور فخر کریں، وہ بالکل بجا ہے۔
لیکن صد افسوس کہ مغربی طاقتوں کی وہ گہری اور منظم سازش، جو اسلامی اخوت اور مرکزیت کو پامال کرنے کے لیے صدیوں سے رچی جا رہی تھی، وہ خود اسلام کا دم بھرنے والوں کے اندر ہی کامیاب ہو گئی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ امتِ مسلمہ کی وہ مشترکہ آفاقی وحدت آج مصری، ہندی، سندھی، عرب اور عجم کے جغرافیائی و لسانی خانوں میں بٹ کر ریزہ ریزہ ہو چکی ہے۔ قرآنِ مجید کی یہ آیتِ کریمہ ہر دور اور ہر خطے میں تمام مسلمانوں کو پوری قوت کے ساتھ یہ پکار پکار کر دعوت دے رہی ہے کہ اس قسم کے جاہلی تعصبات اور امتیازات کی حقیقت میں کوئی حیثیت نہیں ہے، اور نہ ہی ان کھوکھلے نظریات پر قائم ہونے والا کوئی اتحاد پائیدار ہو سکتا ہے۔

لہٰذا مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ 'اعتصام بحبل اللہ' (یعنی قرآنِ مجید کو مضبوطی سے تھامنے) کے اس حقیقی ضابطہ اتحاد کو دوبارہ اپنائیں؛ جس نے انہیں ماضی میں بھی پوری دنیا پر فائق، غالب اور سرفراز کیا تھا، اور اگر آج بھی ان کی قسمت میں عزت، عروج اور کوئی بھلائی لکھی ہے تو وہ انہیں اسی قرآنی شاہراہ پر چل کر ہی حاصل ہو سکتی ہے۔[18]
اس آیت مبارکہ میں مسلمانوں کو دو ہدایات دی گئی ہیں۔اولاً یہ کہ اللہ تبارک و تعالی کے بھیجے ہوئے نظام زندگی کے پابند ہو جائیں۔نمبر دو یہ کہ سب مسلمان مل کر مضبوطی کے ساتھ اللہ رب العزت کے دیے ہوے اس نظام کو تھام لیں ۔تاکہ امت مسلمہ، ملت اسلامیہ کا شیرازہ خود بخود منظم ہوتا جائے ،جس طرح کے اسلام کے قرون اولیٰ میں اس کا مشاہدہ ہو چکا ہے۔قرآن مجید نے مسلمانوں میں اتفاق کے ایجابی پہلو کی وضاحت کرنے کے بعد فرمایا :وَّلَا تَفَرَّقُوْا کہ آپس میں تفرقہ نہ کرو، گروہ بندیاں نہ کرو ،نہ اتفاقی نہ کرو ،قرآن حکیم کا یہ حکیمانہ انداز ہے ،کہ وہ جہاں پر پہلے ایجابی پہلو کو واضح کرتا ہے،وہیں سلبی پہلو سے مخالف چیزوں سے منع بھی فرماتا ہے ۔چنانچہ ایک دوسری آیت مبارکہ میں ارشاد فرمایا:
" وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُۚ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ ؕ(انعام 153)"[19]
اس آیتِ کریمہ میں انسان کو سیدھے راستے (صراطِ مستقیم) پر ثابت قدم رہنے کی تاکید کی گئی ہے اور اپنی نفسانی خواہشات کے پیچھے چلتے ہوئے خود ساختہ پگڈنڈیوں اور راستوں پر بھٹکنے سے سختی سے روکا گیا ہے۔ بلاشبہ، باہمی نااتفاقی اور انتشار ہی کسی بھی قوم کی تباہی و بربادی کا پہلا اور آخری سبب بنتا ہے۔ا سی بنا پر قرآنِ مجید نے متعدد مرتبہ، گوناگوں طریقوں اور منفرد اسلوب و انداز میں اس اختلاف و پراگندگی اور تفرقہ بازی کو برا قرار دیا ہے اور اس سے اجتناب کا حکم صادر فرمایا ہے۔ اسی سیاق و سباق میں ایک اور جگہ اللہ عزوجل نے ارشاد فرمایا:
"إِنَّ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِي شَيْءٍ» ﴿الانعام: ١٥٩﴾بلاشبہ جن لوگوں نے اپنے دین (کے بنیادی احکامات) کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا اور مختلف فرقوں و پارٹیوں کے اندر تقسیم ہو گئے، (اے حبیب علیہ الصلوۃ والتسلیمات!) آپ کا ایسے لوگوں سے کوئی واسطہ اور تعلق نہیں ہے۔"[20]
اس کے علاوہ انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کی امتوں کے واقعات کو قرآن مجید نے نقل فرمایا: کہ کس طرح سابقہ انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کی امتیں باہمی اختلاف اور شقاق کے باعث اپنے مقصد حیات سے منحرف ہو کر دنیا اور آخرت کی تنزلیوں اور رسوائیوں میں مبتلا ہو چکی ہیں۔[21]

اک اہم نقطہ:

علما ء کرام نے وَّلَا تَفَرَّقُوْا،پر اک نقطہ بیان فرمایا ہےکہ اللہ تبا رک وتعالیٰ نے اس آیت مبارکہ میں وَّلَا تَفَرَّقُوْا، فرمایا ہے: کہ آپس میں تفرقہ نہ کرو، گروہ بندیاں نہ کرو،:۔ لیکن وَّلَاتختلفو، نہیں فرمایا: کہ اختلاف نہ کرو۔ کیونکہ اختلاف رائے تو کسی میں بھی ہو سکتا ہے، کسی بات پر بھی ہو سکتا ہے،استا د ،شاگرد میں اختلاف رائے ہو سکتا ہے، والد اور بیٹے میں، بھائی ،بھای میں ، دوست ،دوست میں۔لیکن مطلب یہ ہے اس اختلاف رائے کو بنیاد بنا کر ،آپس میں گروہ بندیا ں نہ کرو، تفرقہ نہ ڈالو، آپس میں پا رٹیاں بنا کر الگ الگ نہ ہو جاو۔
کہ ایک کی رائے الگ ہے تو ،وہ اپنے ہم ذہنوں کو الگ کر کے اک گروہ بنا لیں اور دوسری رائے رکھنے والوں کے ساتھ دست و گریباں ہو جایں ، ایسا نہ کرو ۔ کیونکہ اختلاف رائے تو حسن ہو تا ہے ۔اگر ایسا کرو گے تو اس سے مسلمانوں کے اتحادو اتفاق اور اجتماعیت کو نقصان پہنچے گا ، اور مسلمان کمزور ہو جائیں گے۔
حبیب خداعلیہ الصلوۃ والتسلیمات نے فرمایا کہ رب العزت نے نے تمہارے لیے تین چیزوں کو پسند اور تین چیزوں کو تمہارے لیے ناپسندفرمایا ہے ۔

امام ابنِ کثیر رحمۃ اللہ علیہ باری تعالیٰ کے فرمان {وَلَا تَفَرَّقُوا} کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ اس جملے کے ذریعے اللہ رب العزت نے مسلمانوں کو باہمی اتحاد و اجتماعیت کا حکم دیا ہے اور تفرقہ بازی و دوری اختیار کرنے سے سختی سے منع فرمایا ہے۔ چنانچہ احادیثِ مبارکہ میں کثرت کے ساتھ ایسی روایات منقول ہیں جن میں گروہ بندی کی مذمت کی گئی ہے اور باہمی یگانگت، الفت اور یکسوئی اختیار کرنے کی تاکید فرمائی گئی ۔

صحیح مسلم کے اندرسَیِّدُنَا ابو ہریرہؓ (اللہ آپ سے خوشنود ہو)سے بیان کرتے ہیں ہے کہ رسول اللہ علیہ الصلوۃ والتسلیمات نے ارشاد فرمایا:

"إِنَّ اللَّهَ يَرْضَى لَكُمْ ثَلَاثًا، وَيَسْخَطُ لَكُمْ ثَلَاثًا، يَرْضَى لَكُمْ: أَنْ تَعْبُدُوهُ وَلَا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا، وَأَنْ تَعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا، وَأَنْ تُنَاصِحُوا مَنْ وَلَّاهُ اللَّهُ أَمْرَكُمْ؛ وَيَسْخَطُ لَكُمْ ثَلَاثًا: قِيلَ وَقَالَ، وَكَثْرَةَ السُّؤَالِ، وَإِضَاعَةَ الْمَالِ"

" بزرگ و برتر تمہاری تین خصلتوں پر خوشنودی و رضامندی کا اظہار فرماتا ہے اور تین عادات پر تم سے ناخوشی و بیزاری جتا تا ہے۔وہ تین امور جن پر اللہ کی رضا اور پسندیدگی حاصل ہوتی ہے، یہ ہیں:

- پہلا: تم یکسوئی کے ساتھ صرف اللہ ہی کی فرمانبرداری اور اطاعت میں لگے رہو اور اس کے وجود و کمالات میں کسی کو شریک اور برابر نہ ٹھہراؤ۔
- دوسرا: تم سب متحد ہو کر اللہ کی ڈور (قرآن و ہدایت) کو پوری قوت سے تھامے رکھو اور اپنے درمیان بکھراؤ اور اختلاف کو راستہ نہ دو۔
- سوم: تم ان مقتدر شخصیات (حکام اور اولی الامر) کے ساتھ خیر خواہی کا معاملہ رکھو جنہیں اللہ نے تمہارے معاملات کا نگران بنایا ہے۔

اور وہ تین باتیں جن سے اللہ رب العزت سخت ناراض ہوتا ہے، درج ذیل ہیں:

- قیل و قال: بلا ضرورت ادھر ادھر کی ہانکنا، افواہیں پھیلانا اور لایعنی بحث مباحثوں میں وقت ضائع کرنا۔
- کثرتِ سوال: لوگوں کے سامنے دستِ سوال دراز کرنا یا بلا وجہ لاحاصل اور بے جا سوالات کی کثرت کرنا۔
- اضاعتِ مال: اللہ کی دی ہوئی دولت اور وسائل کو فضول خرچی، اسراف یا ناجائز جگہوں پر برباد کرنا۔"[22]

"سوال یہ رہ جاتا ہے کہ کیا ہر طرح کا اختلاف قابل مذمت ہے، یا کوئی اختلاف غیر مذموم بھی ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ہر اختلاف مذموم نہیں ہے۔ بلکہ مذموم اختلاف وہ ہے، جس میں اپنی خواہشات اور احوال کی بنا پر قرآن مجید سے دور رہ کر سوچا جائے۔"لیکن اگر قرآن مجید پر مجتمع رہتے ہوئے ،اور نبی کریم علیہ الصلوات والتسلیمات کی تفسیر و تشریح کو قبول کرتے ہوئے، اپنی دماغی صلاحیتوں اور فطر ی استعداد کی بنا پر ،فروع میں اختلاف کیا جائے تو یہ اختلاف فطری ہے۔اور دین اسلام اس سے منع نہیں کرتا ۔صحابہ کرام و تابعین عظام اور آئمہ فقہاء کا اختلاف اسی قسم کا اختلاف تھا۔اور اسی اختلاف کو حدیث مبارکہ میں رحمت قرار دیا گیا۔ ہاں اگر انہی فروعی مباحث کو دین کی اصل قرار دیا جائے اور ان میں اختلاف کرنے کو سب و شتم ،گالم گلوچ اور جنگونو جدل کا ذریعہ بنا لیا جائے گا ،تو یہ بھی قابل مذمت ہے،باہمی اتفاق و اتحاد کے ان دونوں پہلوؤں کو واضح کرنے کے بعد اس حالت کی طرف اشارہ کیا گیا ،اس میں دین اسلام سے پہلے اہل عرب مبتلا تھے ۔قبائل کی باہمی دشمنیا ں،اور بات بات پر ان کی لڑائیوں اور دن رات کے کشت و خون کی بدولت قریب تھا ،کہ پوری عرب قوم تباہ و برباد ہو جاتی۔اس آگ میں جل مرنے

سے، تباہ ہونے سے، اگر کسی چیز نے ان کو بچایا ہے، تو وہ یہی دین اسلام کی نعمت تھی۔چنانچہ قران پاک سورہ آل عمران میں اللہ تبارک و تعالی نے ارشاد فرمایا:

"اور اللہ کا یہ انعام اپنے اوپر یاد رکھو !کہ جب تم باہم دشمن تھے، اس نے تمہارے دلوں میں محبت ڈال دی، سو تم اس کے انعام سے آپس میں بھائی بھائی بن گئے۔اور تم آگ کے گھڑے کے کنارے پر تھے ،سو اس نے تمہیں اس سے بچا لیا۔[23]"

یعنی صدیوں پرانے عناد، جانی دشمنیاں اور دلوں کے کینے دور فرما کر اللہ رب العزت نے دینِ اسلام کی برکت اور نبیِ رحمت علیہ الصلوۃ والتسلیمات کے طفیل ان (اہلِ عرب) کو آپس میں مخلص بھائی بھائی بنا دیا۔ اس لازوال تبدیلی کے نتیجے میں جہاں تمہاری عاقبت سنور گئی اور دین و دنیا کے معاملات درست ہو گئے، وہاں تمہارے درمیان ایک ایسی مستحکم دوستی پروان چڑھی جس کی ہیبت نے حاسدوں اور دشمنوں کے دلوں پر تمہارا رعب بٹھا دیا اور وہ تمہاری طاقت سے مرعوب ہو گئے۔

باہمی اخوت، دلوں کا یہ میل اور بے لوث محبت باری تعالیٰ کا ایک ایسا عظیم الشان انعام اور لاجواب نعمت ہے، جسے اگر کوئی دنیا بھر کے تمام خزانوں اور زمین کی دولت کو بھی بہا کر حاصل کرنا چاہتا، تو کبھی پا نہیں سکتا تھا۔

مسلمانوں کا آپس کا اتحاد اللہ کی اطاعت پر موقوف ہے:

قرآن مجید کے اس ارشاد مبارکہ سے ایک اور حقیقت کھل گئی ،ایک اور حقیقت کا انکشاف ہوا ،کہ دلوں کا مالک حقیقت میں اللہ رب العزت ہے۔دلوں کے اندر محبت یا نفرت کا پیدا کرنا اللہ ہی کا کام ہے۔ کسی جماعت کے قلوب میں باہمی مودت و محبت پیدا کرنا ،اللہ رب العزت کا انعام ہے۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ اللہ تبارک و تعالی کا انعام صرف اسی صورت میں حاصل ہو سکتا ہے ،جب ہم اللہ تبارک و تعالی کی اطاعت اور فرمانبرداری کریں، معصیت اور نافرمانی کے ساتھ اللہ تبارک و تعالی کا یہ انعام ہمیں نہیں مل سکتا۔[24]

اس کا نتیجہ یہ بھی ہوا کہ اگر مسلمان مستحکم اتحاد و تنظیم چاہتے ہیں تو اس کا ذریعہ صرف یہ ہے کہ اللہ تبارک و تعالی کی فرمانبرداری اور اطاعت کو اپنا شعار بنا لیں اسی کی طرف اشارہ کرنے کے لیے آیت کے آخر میں خدا وند کریم نے ارشاد فرمایا: "كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيَاتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ " یعنی اسی طرح اللہ تعالی تم لوگوں کے لیے حقائق کو واضح کر کے بیان فرماتے ہیں، تاکہ تم لوگ صحیح راستہ پررہو۔"[25]

دوسری جگہ پر اللہ تبارک و تعالی نے ارشاد فرمایا :

"اِنَّ هٰذِهٖ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةًۖ وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْنِ"[26]

"یہ تمہاری امت ہے جو حقیقت میں ایک ہی امت ہے اور میں تم سب کا پروردگار ہوں پس تم میری عبادت کرو۔ "

دوسری آیت میں ارشاد فرمایا:

" وَاِنَّ هٰذِهٖ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُوْنِ"[27]

"یہ تمہاری امت ہے جو حقیقت میں ایک ہی امت ہے یعنی تم میرا ہی تقوی اختیار کرو۔"

مفسرین کرام نے کہا ہے کہ ان دونوں آیات میں اللہ تبارک و تعالی کی طرف سے یہ پیغام مل رہا ہے کہ ہم بحیثیت امت جب تک ہم اجتماعیت کا خیال نہیں رکھیں گے اس وقت تک ہم کما حق عبادت کا ادا نہیں کر سکتے اور نہ ہی ہم مسلمان تقوی کے اعلی معیار کو پا سکتے ہیں۔امام قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت :

"اِنْ تَمْسَسْكُمْ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ ۡوَاِنْ تُصِبْكُمْ سَيِّئَةٌ يَّفْرَحُوْا بِهَا"[28]

کا معنی بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

"وَأخرج عبد بن حميد وَابْن جرير وَابْن أبي حَاتِم عَن قَتَادَة فِي الْآيَة قَالَ: إِذا رَأَوْا من أهل الْإِسْلَام إلفة وَجَمَاعَة وظهورا على عدوهم غاظهم ذَلِك وساءهم وَإِذا رَأَوْا من أهل الْإِسْلَام فرقة واختلافاً أَو أُصِيب طرف من أَطْرَاف الْمُسلمين سرهم ذَلِك وابتهجوا بِهِ"

"اگر تم اجتماعیت کے ساتھ رہتے ہو تو یہودیوں کو برا لگتا ہے، اور اگر تم افتراق اور انتشار کا شکار ہوتے ہو تو یہودی خوش ہوتے ہیں۔"[29] یعنی اجتماعی سوچ کو نظر انداز کر کے اپنی انفرادی سوچ اور حیثیت کو پروان چڑھانے والا شخص دراصل اسلام کا خادم نہیں ہے بلکہ اپنے نفس کا خادم ہوتا ہے اور وہ اسلام کے دشمنوں کو خوش کرتا ہے شریعت کی نظر میں اجتماعیت ایک مطلوب عمل ہے۔

حوالہ جات:

---

[1] ۔ال عمران آیت نمبر102،103

[2] ۔ال عمران آیت نمبر102،103

[3] **معارف القرآن ج2 ص127**

[4] البحر المحيط في التفسير،أبو حيان محمد بن يوسف بن علي بن يوسف بن حيان أثير الدين الأندلسي (المتوفى: 745هـ)۔ المحقق، صدقي محمد جميل۔ الناشر: دار الفكر - بيروت۔ الطبعة: 1420 هـ۔ ج3 ۔ص285

[5] تفسیر قرطبی۔ج 2ص۔690

[6]معارف القرآن ۔ج2۔**ص 128**

[7] معارف القرآن۔ج 2ص۔128،129

[8] معارف القرآن۔ج۔2۔ص 129

[9] ۔معارف القرآن ۔ج2۔ص 129

[10] معارف القرآن ۔ج2۔ ص 129،130

[11]ا تفسیر طبری۔ جامع البيان في تأويل القرآن۔ المؤلف: محمد بن جرير بن يزيد بن كثير بن غالب الآملي، أبو جعفر الطبري (المتوفى: 310هـ)۔ المحقق: أحمد محمد شاكر۔ الناشر: مؤسسة الرسالة۔ الطبعة: الأولى، 1420 هـ - 2000 م۔ عدد الأجزاء: 24 ج7۔ص72۔

[12] تفسیر طبری۔ج7۔ص72

[13] تفسیر قرطبی ۔ج4ص159

[14]تفسیر قرطبی ۔ج4 ص159

[15] ۔سورہ مریم۔ آیت نمبر 96۔

[16].۔ معارف القرآن۔ج2۔ص130،131

[17].سورہ التغابن آیت نمبر 2

[18].۔ معارف القرآن۔ج2۔ص131،132

[19].سورہ انعام آ یت نمبر 153

[20]. سورہ انعام آیت نمبر 159

[21].معارف القرآن۔ج2۔ص132،133

[22]. تفسیر ابن کثیر۔ج2۔ص 89

[23].سورہ آل عمران۔آیت نمبر103

[24]. معارف القرآن۔ج2۔ص133،134

[25]. سورہ آل عمران آیت نمبر 103

[26].سورہ انبیا آیت نمبر 92

[27].سورہ المومنون آیت نمبر 52

[28]. سورہ آل عمران۔آیت نمبر 120

[29] ۔تفسیر بالماثور۔ج2۔ص 301